ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY

AIOU LIBRARY
aioulibrary.com

Name:

Registration No.:

Course Code: 406

Program:

Semester: Autumn 2026

WhatsApp Orders: +92 324 5836626

ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY, ISLAMABAD

Course: Economics (406) • Level: B.A. / Associate Degree

Semester: Autumn 2026

Assignment No. 1 (Units 1–5)

SOLVED ASSIGNMENT GUIDE

(For Study & Reference)

Note: This guide is prepared for study and reference purposes. Students are advised to read the relevant units of the course book, understand the concepts, and then write the assignment in their own words. Total marks of the assignment are 100, each question carries the marks shown with it.

AIOU LIBRARY aioulibrary.com

سوال نمبر 1: صنعتی اور غیر صنعتی ممالک کے درمیان معاشی رخنہ بڑھنے کی وجوہات (20 نمبر)

سوال نمبر 1: صنعتی اور غیر صنعتی ممالک کے درمیان معاشی رخنہ بڑھنے کی وجوہات تفصیل سے لکھیں۔

تعارف

دنیا کے ممالک کو معاشی لحاظ سے عموماً دو بڑے گروہوں میں تقسیم کیا جاتا ہے: صنعتی یا ترقی یافتہ ممالک اور غیر صنعتی یا ترقی پذیر ممالک۔ صنعتی ممالک میں امریکہ، برطانیہ، جرمنی، فرانس اور جاپان جیسے ملک شامل ہیں جہاں فی کس آمدنی زیادہ، صنعت و تجارت ترقی یافتہ، تعلیم و صحت کی سہولتیں عام اور ٹیکنالوجی جدید ہے۔ اس کے برعکس غیر صنعتی ممالک میں پاکستان، بھارت، بنگلہ دیش اور افریقہ کے بیشتر ملک شامل ہیں جہاں آبادی کی اکثریت زراعت پر انحصار کرتی ہے، فی کس آمدنی کم ہے اور بنیادی سہولتوں کی کمی ہے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان دونوں گروہوں کے درمیان معاشی فرق یعنی رخنہ کم ہونے کے بجائے مسلسل بڑھ رہا ہے۔ امیر ملک مزید امیر اور غریب ملک نسبتاً مزید پیچھے رہتے جا رہے ہیں۔ اس جواب میں ہم ان وجوہات کا تفصیلی جائزہ لیں گے جن کی بنا پر یہ معاشی رخنہ بڑھ رہا ہے، تاکہ یہ سمجھا جا سکے کہ ترقی پذیر ممالک کی پسماندگی محض اتفاق نہیں بلکہ اس کے پیچھے ٹھوس معاشی، تاریخی اور ادارہ جاتی عوامل کارفرما ہیں۔

نوآبادیاتی ورثہ اور تاریخی پس منظر

معاشی رخنے کی سب سے پہلی اور بنیادی وجہ نو آبادیاتی نظام ہے۔ اٹھارویں اور انیسویں صدی میں یورپی طاقتوں نے ایشیا اور افریقہ کے ممالک کو اپنی نو آبادیاں بنایا اور ان کے وسائل کو اپنے مفاد کے لیے استعمال کیا۔ نو آبادیاتی طاقتوں نے ان علاقوں سے خام مال سستے داموں حاصل کیا اور اپنی تیار کردہ اشیا مہنگے داموں یہیں فروخت کیں۔ مقامی صنعتوں کو دانستہ طور پر تباہ کیا گیا؛ مثلاً برصغیر کی مشہور ململ اور دستکاری کی صنعت انگریزوں کی پالیسیوں کی نذر ہو گئی۔ اس استحصال کا نتیجہ یہ نکلا کہ صنعتی انقلاب کا فائدہ صرف یورپ کو پہنچا جبکہ نو آبادیاں خام مال فراہم کرنے والی منڈیاں بن کر رہ گئیں۔ آزادی کے بعد بھی ان ممالک کی معیشتیں اسی ڈھانچے پر قائم رہیں، اس لیے ترقی کی دوڑ میں وہ شروع ہی سے بہت پیچھے رہ گئے اور یہ تاریخی خسارہ آج تک پورا نہیں ہو سکا۔

سرمایہ کی کمی اور پسماندگی کا شیطانی چکر

ترقی پذیر ممالک میں سرمایہ کی شدید کمی پائی جاتی ہے۔ کم آمدنی کی وجہ سے لوگ بچت نہیں کر پاتے، کم بچت کی وجہ سے سرمایہ کاری کم ہوتی ہے، کم سرمایہ کاری کی وجہ سے پیداوار اور روزگار میں اضافہ نہیں ہوتا اور یوں آمدنی پھر کم رہ جاتی ہے۔ ماہر معاشیات رگنر نرکس نے اسے پسماندگی کا شیطانی چکر قرار دیا ہے۔ اس کے برعکس صنعتی ممالک میں آمدنی زیادہ ہونے کی وجہ سے بچت اور سرمایہ کاری کی شرح بہت بلند ہے، جس سے ان کی پیداواری صلاحیت مسلسل بڑھتی رہتی ہے۔ اس طرح امیر ممالک کی ترقی کی رفتار تیز اور غریب ممالک کی سست رہتی ہے، چنانچہ دونوں کے درمیان فاصلہ ہر سال بڑھتا چلا جاتا ہے۔ جب تک ترقی پذیر ممالک اس چکر کو توڑ نہیں لیتے، رخنہ کم ہونے کی توقع نہیں کی جا سکتی۔

ٹیکنالوجی اور تعلیم میں فرق

جدید ٹیکنالوجی آج کی معاشی ترقی کی کنجی ہے۔ صنعتی ممالک تحقیق و ترقی پر اپنی قومی آمدنی کا بڑا حصہ خرچ کرتے ہیں، ان کی جامعات اور تحقیقی ادارے نئی ایجادات پیدا کرتے ہیں اور ان کی صنعتیں جدید مشینری استعمال کرتی ہیں۔ اس کے مقابلے میں ترقی پذیر ممالک میں شرح خواندگی کم، فنی و پیشہ ورانہ تعلیم کا فقدان اور تحقیق پر خرچ نہ ہونے کے برابر ہے۔ نتیجتاً ان ممالک کو جدید ٹیکنالوجی مہنگے داموں درآمد کرنا پڑتی ہے اور اکثر وہ اس سے مکمل فائدہ بھی نہیں اٹھا پاتے کیونکہ ہنر مند افرادی قوت موجود نہیں ہوتی۔

مزدور کی پیداواری صلاحیت میں یہی فرق آمدنی کے فرق کی بڑی وجہ ہے: ترقی یافتہ ملک کا مزدور جدید ٹیکنالوجی کی مدد سے کئی گنا زیادہ پیداوار کرتا ہے، جبکہ ترقی پذیر ملک کا مزدور پرانے طریقوں سے محدود پیداوار ہی حاصل کر پاتا ہے۔

بین الاقوامی تجارت کی ناموافق شرائط

عالمی تجارت کا ڈھانچہ بھی رخنہ بڑھانے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ ترقی پذیر ممالک عموماً خام مال اور زرعی اجناس برآمد کرتے ہیں جن کی قیمتیں عالمی منڈی میں غیر مستحکم اور نسبتاً کم ہوتی ہیں، جبکہ وہ صنعتی اشیا، مشینری اور تیل درآمد کرتے ہیں جن کی قیمتیں مسلسل بڑھتی رہتی ہیں۔ اسے تجارت کی بگڑتی ہوئی شرائط کہا جاتا ہے، یعنی ایک ہی مقدار کی درآمدات کے لیے ترقی پذیر ملک کو پہلے سے زیادہ برآمدات کرنا پڑتی ہیں۔ اس کے علاوہ ترقی یافتہ ممالک اپنی زرعی اور صنعتی مصنوعات کو سبسڈی اور حفاظتی محصولات کے ذریعے تحفظ دیتے ہیں، جس سے ترقی پذیر ممالک کی مصنوعات کو ان کی منڈیوں تک منصفانہ رسائی نہیں ملتی۔ عالمی مالیاتی اداروں میں فیصلہ سازی کا اختیار بھی بڑی حد تک امیر ممالک کے پاس ہے، اس لیے عالمی معاشی نظام مجموعی طور پر انہی کے مفاد میں کام کرتا ہے اور غریب ممالک مزید پسماندہ ہوتے جاتے ہیں۔

آبادی میں تیز اضافہ اور سیاسی عدم استحکام

ترقی پذیر ممالک میں آبادی کی شرح نمو بہت زیادہ ہے۔ جو کچھ معاشی ترقی ہوتی بھی ہے، وہ بڑھتی ہوئی آبادی میں تقسیم ہو کر فی کس آمدنی میں خاطر خواہ اضافہ نہیں کر پاتی۔ تعلیم، صحت، رہائش اور روزگار پر دباؤ بڑھتا ہے اور حکومتی وسائل ترقیاتی کاموں کے بجائے بڑھتی ہوئی آبادی کی بنیادی ضروریات پوری کرنے میں خرچ ہو جاتے ہیں۔ اس کے برعکس صنعتی ممالک میں آبادی کی نمو سست اور قابو میں ہے، اس لیے وہاں ترقی کے ثمرات فی کس آمدنی میں واضح اضافے کی صورت میں نظر آتے ہیں۔ مزید برآں بہت سے ترقی پذیر ممالک میں سیاسی عدم استحکام، کمزور ادارے، بدعنوانی اور پالیسیوں کا تسلسل نہ ہونا سرمایہ کاری کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ سرمایہ کار ایسے ملک میں سرمایہ لگانے سے گریز کرتا ہے جہاں سیاسی ماحول غیر یقینی ہو، جبکہ مستحکم صنعتی ممالک دنیا بھر کا سرمایہ اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ صنعتی اور غیر صنعتی ممالک کے درمیان بڑھتا ہوا معاشی رخنہ کسی ایک وجہ کا نتیجہ نہیں بلکہ نو آبادیاتی استحصال، سرمایہ کی کمی، تکنیکی پسماندگی، ناموافق عالمی تجارت، تیز آبادی اور کمزور اداروں کا مجموعی ثمر ہے۔ یہ عوامل ایک دوسرے کو تقویت دیتے ہیں اور پسماندگی کو پائیدار بنا دیتے ہیں۔ تاہم یہ صورت حال لاینحل نہیں۔ اگر ترقی پذیر ممالک تعلیم اور ہنر پر سرمایہ کاری کریں، بچت اور سرمایہ کاری کی شرح بڑھائیں، آبادی پر قابو پائیں، اداروں کو مضبوط کریں اور برآمدات میں تنوع پیدا کر کے عالمی منڈی میں اپنی پوزیشن بہتر بنائیں تو یہ رخنہ بتدریج کم کیا جا سکتا ہے۔ مشرقی ایشیا کے بعض ممالک کی مثال ثابت کرتی ہے کہ درست پالیسیوں سے چند دہائیوں میں پسماندگی کو ترقی میں بدلا جا سکتا ہے۔

• • •

سوال نمبر 2: معاشی ترقی کے سماجی اور ثقافتی عوامل (20 نمبر)

سوال نمبر 2: معاشی ترقی کے سماجی اور ثقافتی عوامل پر روشنی ڈالیں۔

تعارف

معاشی ترقی صرف سرمایہ، زمین اور محنت جیسے مادی عوامل کا نام نہیں۔ کسی ملک کی ترقی میں اس کے سماجی ڈھانچے، ثقافتی اقدار، رسوم و روایات، تعلیمی ماحول اور لوگوں کے رویوں کا بھی اتنا ہی گہرا عمل دخل ہوتا ہے جتنا معاشی عوامل کا۔ یہی وجہ ہے کہ یکساں قدرتی وسائل رکھنے والے دو ممالک میں سے ایک ترقی کر جاتا ہے اور دوسرا پیچھے رہ جاتا ہے۔ سماجی اور ثقافتی عوامل سے مراد وہ غیر مادی عناصر ہیں جو لوگوں کے طرزِ فکر، کام کرنے کی لگن، بچت و سرمایہ کاری کے رجحان، تعلیم کی قدر اور نئی چیزوں کو اپنانے کی صلاحیت کو متاثر کرتے ہیں۔ اگر سماج ترقی پسند، تعلیم دوست اور محنت کا قائل ہو تو معاشی عوامل بھی موثر ثابت ہوتے ہیں، اور اگر سماج جمود، توہم پرستی اور فرسودہ رسموں کا شکار ہو تو وافر وسائل بھی ترقی نہیں لا سکتے۔ اس جواب میں معاشی ترقی پر اثر انداز ہونے والے اہم سماجی اور ثقافتی عوامل کا جائزہ لیا جائے گا۔

تعلیم اور انسانی سرمایہ

تعلیم سب سے اہم سماجی عامل ہے جو معاشی ترقی کی بنیاد رکھتا ہے۔ تعلیم یافتہ افرادی قوت جدید ٹیکنالوجی کو سمجھ اور استعمال کر سکتی ہے، اس کی پیداواری صلاحیت زیادہ ہوتی ہے اور وہ نئے مواقع سے فائدہ اٹھانے کی اہلیت رکھتی ہے۔ جس معاشرے میں تعلیم عام اور معیاری ہو، وہاں شرح خواندگی بلند ہونے سے نہ صرف صنعت و زراعت میں جدت آتی ہے بلکہ لوگ صحت، خاندانی منصوبہ بندی اور بچت جیسے معاملات میں بھی دانشمندانہ فیصلے کرتے ہیں۔ اس کے برعکس ناخواندگی معاشی جمود کو جنم دیتی ہے: ناخواندہ مزدور پرانے طریقوں سے چمٹا رہتا ہے، نئی تکنیک سے خوف کھاتا ہے اور اپنی اولاد کو بھی تعلیم کی طرف راغب نہیں کر پاتا۔ یہی وجہ ہے کہ ترقی یافتہ ممالک نے سب سے پہلے عالمگیر تعلیم پر توجہ دی، اور آج بھی انسانی سرمائے میں سرمایہ کاری کو ترقی کی کنجی سمجھا جاتا ہے۔

محنت، امانت اور وقت کی پابندی کی اقدار

ثقافتی اقدار معاشی رویوں کو تشکیل دیتی ہیں۔ جس معاشرے میں محنت کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جائے، امانت داری اور دیانت کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے اور وقت کی پابندی معمول ہو، وہاں کاروبار پھلتا پھولتا ہے، لین دین میں اعتماد پیدا ہوتا ہے اور معاشی سرگرمیوں کی لاگت کم ہو جاتی ہے۔ مشتہر ماہر سماجیات میکس ویبر نے پروٹسٹنٹ اخلاقیات اور سرمایہ داری کی ترقی کے تعلق کو اجاگر کیا تھا، جس کا مطلب یہی ہے کہ مذہبی و ثقافتی اقدار معاشی رویوں پر گہرا اثر ڈالتی ہیں۔ اسلام بھی محنت، رزقِ حلال، امانت اور اسراف سے بچنے کی تعلیم دیتا ہے؛ اگر ان اقدار پر عمل ہو تو یہ ترقی کے لیے بہترین ماحول فراہم کرتی ہیں۔ اس کے برعکس سستی، کام چوری، رشوت اور وعدہ خلافی جیسی برائیاں جس معاشرے میں عام ہوں، وہاں سرمایہ کار بھی اعتماد نہیں کرتا اور ترقی کی رفتار سست پڑ جاتی ہے۔

سماجی ڈھانچہ، ذات پات اور طبقاتی تقسیم

سماجی ڈھانچہ بھی ترقی پر اثرانداز ہوتا ہے۔ جن معاشروں میں ذات پات، برادری اور طبقاتی تقسیم سخت ہو، وہاں قابلیت کے بجائے نسب اور سفارش کو اہمیت ملتی ہے، جس سے ذہین افراد آگے نہیں بڑھ پاتے اور معاشرے کی مجموعی صلاحیت ضائع ہوتی ہے۔ مشترکہ خاندانی نظام کے فوائد بھی ہیں اور نقصانات بھی: یہ سماجی تحفظ فراہم کرتا ہے، لیکن بعض اوقات کمانے والے ایک فرد پر بہت سے افراد کا بوجھ پڑنے سے بچت اور سرمایہ کاری کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے اور جغرافیائی نقل و حرکت بھی محدود رہتی ہے۔ اسی طرح

جاگیر دارانہ سماجی ڈھانچہ زمین کی منصفانہ تقسیم اور زرعی اصلاحات کی راہ میں رکاوٹ بنتا ہے۔ جب سماج میں سماجی انصاف، قابلیت کی قدر اور مساوی مواقع کا ماحول پیدا ہوتا ہے تو ہر فرد اپنی صلاحیت کے مطابق ترقی میں حصہ لیتا ہے اور قومی پیداوار میں اضافہ ہوتا ہے۔

خواتین کی سماجی حیثیت اور آبادی کے رویے

کسی بھی معاشرے کی نصف آبادی خواتین پر مشتمل ہوتی ہے۔ اگر خواتین کو تعلیم اور روزگار سے دور رکھا جائے تو گویا ملک کی نصف افرادی قوت معاشی عمل سے باہر رہتی ہے اور قومی آمدنی کا ایک بڑا ممکنہ ذریعہ ضائع ہو جاتا ہے۔ ترقی یافتہ معاشروں میں خواتین کی تعلیم اور معاشی شرکت عام ہے، جس سے گھریلو آمدنی، بچوں کی تعلیم و صحت اور بچت میں اضافہ ہوتا ہے۔ اسی طرح آبادی کے بارے میں سماجی رویے بھی اہم ہیں: جہاں بڑے خاندان کو طاقت اور رزق کا ذریعہ سمجھا جاتا ہو اور خاندانی منصوبہ بندی کو سماجی طور پر ناپسند کیا جاتا ہو، وہاں آبادی تیزی سے بڑھتی ہے اور ترقی کے ثمرات کھا جاتی ہے۔ جب تعلیم اور آگاہی سے یہ رویے بدلتے ہیں تو آبادی کی نمو سست ہوتی ہے اور فی کس آمدنی میں حقیقی اضافہ ممکن ہو جاتا ہے۔

مذہبی و ثقافتی رویے، جدت پسندی اور رسم و رواج

ثقافتی رویوں میں جدت کو قبول کرنے یا مسترد کرنے کا رجحان ترقی کے لیے فیصلہ کن ہوتا ہے۔ جو معاشرہ نئے خیالات، نئی ٹیکنالوجی اور کاروباری خطرات مول لینے کے لیے تیار ہو، وہاں کاروباری طبقہ پروان چڑھتا ہے، ایجادات ہوتی ہیں اور معیشت آگے بڑھتی ہے۔ اس کے برعکس توہم پرستی، تقدیر پرستی کی غلط تعبیر اور تبدیلی کی مخالفت معاشی جمود پیدا کرتی ہے۔ مہنگی رسم و رواج، مثلاً شادی بیاہ اور دیگر تقریبات پر دکھاوے کا بے جا خرچ، بھی معاشی نقصان کا باعث بنتا ہے کیونکہ گھریلو بچتیں غیر پیداواری مصرف میں ضائع ہو جاتی ہیں اور لوگ قرض کے جال میں پھنستے ہیں۔ اسی طرح سود سے بازی، کاروباری ایمانداری، قانون کی پاسداری اور قومی مفاد کو ذاتی مفاد پر ترجیح دینے جیسی سماجی عادات بھی مجموعی ماحول کو ترقی کے لیے ساز گار یا ناساز گار بناتی ہیں۔ لہٰذا ثقافتی اصلاح اور ذہنی بیداری معاشی منصوبہ بندی کا لازمی جزو ہے۔

نتیجہ

نتیجتاً کہا جا سکتا ہے کہ معاشی ترقی ایک کثیر الجہتی عمل ہے جس میں سماجی اور ثقافتی عوامل بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ تعلیم، محنت و امانت کی اقدار، منصفانہ سماجی ڈھانچہ، خواتین کی شرکت، آبادی کے متوازن رویے اور جدت پسندی وہ عناصر ہیں جو مادی وسائل کو فعال بنا کر ترقی کی رفتار تیز کرتے ہیں۔ پالیسی سازوں کو چاہیے کہ معاشی منصوبوں کے ساتھ ساتھ تعلیم کے فروغ، سماجی آگاہی اور مثبت اقدار کی ترویج پر بھی توجہ دیں، کیونکہ جب تک انسانی ذہن اور سماجی ماحول نہ بدلے، سرمایہ اور مشینری اکیلے پائیدار ترقی نہیں لا سکتے۔

سوال نمبر 3: مؤثر منصوبہ بندی کی راہ میں رکاوٹ بننے والے عوامل (20 نمبر)

سوال نمبر 3: مؤثر منصوبہ بندی کی راہ میں رکاوٹ بننے والے عوامل لکھیں۔

تعارف

معاشی منصوبہ بندی سے مراد وہ منظم عمل ہے جس میں ریاست اپنے وسائل کا جائزہ لے کر ترجیحات مقرر کرتی ہے اور مقررہ مدت میں مخصوص اہداف حاصل کرنے کے لیے پالیسیاں بناتی ہے۔ ترقی پذیر ممالک میں منصوبہ بندی کو خاص اہمیت حاصل ہے کیونکہ وہاں وسائل محدود اور مسائل بے شمار ہوتے ہیں۔ تاہم تجربہ یہ بتاتا ہے کہ بہت سے ترقی پذیر ممالک میں منصوبے کاغذ پر تو اچھے بنتے ہیں مگر عمل درآمد کے مرحلے پر ناکام ہو جاتے ہیں۔ پاکستان سمیت اکثر ممالک کے پانچ سالہ منصوبے اپنے اہداف حاصل نہیں کر سکے۔ اس ناکامی کے پیچھے کئی عوامل ہیں: کہیں اعداد و شمار کی کمی ہے، کہیں مالی وسائل ناکافی ہیں، کہیں انتظامی ڈھانچہ کمزور ہے اور کہیں سیاسی و سماجی رکاوٹیں آڑے آتی ہیں۔ اس جواب میں مؤثر منصوبہ بندی کی راہ میں حائل اہم رکاوٹوں کا تفصیلی جائزہ لیا جائے گا۔

اعداد و شمار کی کمی اور غلط تخمینے

درست منصوبہ بندی کی بنیاد قابلِ اعتماد اعداد و شمار ہوتے ہیں۔ ترقی پذیر ممالک میں آبادی، پیداوار، روزگار، آمدنی اور قیمتوں کے بارے میں مکمل اور تازہ ترین اعداد و شمار دستیاب نہیں ہوتے۔ مردم شماری بروقت نہیں ہوتی، زرعی و صنعتی پیداوار کے تخمینے اندازوں پر مبنی ہوتے ہیں اور غیر منظم شعبہ معیشت، جو ان ممالک میں بہت بڑا ہوتا ہے،

اعداد و شمار کی گرفت سے باہر رہتا ہے۔ جب بنیادی معلومات ہی ناقص ہوں تو اہداف بھی غیر حقیقی مقرر ہوتے ہیں اور وسائل کی تقسیم بھی غلط ہو جاتی ہے۔ کئی منصوبے اسی لیے ناکام ہوئے کہ ان کی بنیاد پر لگائے گئے تخمینے حقیقت سے دور نکلے۔ مزید یہ کہ منصوبے کی پیش رفت ناپنے کا نظام بھی کمزور ہوتا ہے، اس لیے غلطیوں کی بروقت نشاندہی اور اصلاح ممکن نہیں رہتی۔

مالی وسائل کی کمی

منصوبہ بندی کا سب سے بڑا عملی مسئلہ مالی وسائل کی کمی ہے۔ ترقی پذیر ممالک میں قومی آمدنی کم ہونے کی وجہ سے بچت کی شرح کم ہوتی ہے اور حکومت کی محصولاتی آمدنی بھی محدود ہوتی ہے، کیونکہ ٹیکس کا نظام کمزور، ٹیکس چوری عام اور ٹیکس بنیاد تنگ ہوتی ہے۔ نتیجتاً منصوبے کے لیے درکار سرمایہ میسر نہیں آتا۔ اس کمی کو پورا کرنے کے لیے حکومتیں بیرونی قرضوں اور امداد پر انحصار کرتی ہیں، مگر بیرونی امداد غیر یقینی ہوتی ہے، اس کے ساتھ شرائط وابستہ ہوتی ہیں اور قرضوں کی واپسی مستقبل میں مزید بوجھ بن جاتی ہے۔ بسا اوقات افراطِ زر کے ذریعے وسائل اکٹھے کرنے کی کوشش کی جاتی ہے جو قیمتوں میں اضافہ کر کے منصوبے کی لاگت ہی بڑھا دیتی ہے۔ یوں وسائل کی کمی منصوبے کو ادھورا چھوڑ دیتی ہے یا اس کی مدت میں بار بار توسیع کرنا پڑتی ہے۔

کمزور انتظامی ڈھانچہ اور بدعنوانی

منصوبہ کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو، اس کی کامیابی کا انحصار اس انتظامی مشینری پر ہوتا ہے جو اسے نافذ کرتی ہے۔ ترقی پذیر ممالک میں انتظامی ڈھانچہ کئی کمزوریوں کا شکار ہوتا ہے: تربیت یافتہ اور اہل افسران و ماہرین کی کمی، اہلیت کے بجائے سفارش اور رشوت کو اہمیت، محکموں کے درمیان رابطے کا فقدان اور فیصلہ سازی میں تاخیر۔ بدعنوانی منصوبے کے فنڈز کو ضائع کر دیتی ہے؛ ٹھیکے میرٹ کے بجائے کمیشن پر ملتے ہیں، ناقص تعمیرات ہوتی ہیں اور کاغذوں میں منصوبہ مکمل دکھا کر رقم ہضم کر لی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ افسر شاہی کا رویہ عوام دوست نہیں ہوتا، جس سے عوامی تعاون حاصل نہیں ہوتا۔ جب عمل درآمد کرنے والا نظام ہی کمزور اور بدعنوان ہو تو منصوبہ بندی محض دستاویز بن کر رہ جاتی ہے۔

سیاسی عدم استحکام اور پالیسیوں کا عدم تسلسل

طویل المدت منصوبہ بندی کے لیے سیاسی استحکام ضروری ہے، کیونکہ پانچ سالہ اور طویل مدتی منصوبے حکومتوں کی تبدیلی سے متاثر ہوتے ہیں۔ بہت سے ترقی پذیر ممالک میں حکومتیں بار بار بدلتی ہیں اور ہر نئی حکومت پچھلی حکومت کے منصوبے ترک کر کے نئی ترجیحات شروع کر دیتی ہے، جس سے قومی وسائل ضائع ہوتے ہیں اور ادھورے منصوبے کھنڈر بن جاتے ہیں۔ سیاسی دباؤ کی وجہ سے منصوبوں کا انتخاب معاشی جواز کے بجائے سیاسی فائدے کی بنیاد پر ہوتا ہے؛ ترقیاتی فنڈز بااثر حلقوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں۔ جنگیں، اندرونی انتشار اور دہشت گردی بھی منصوبہ بندی کو متاثر کرتی ہے کیونکہ وسائل دفاع اور امن و امان کی طرف مڑ جاتے ہیں اور غیر ملکی سرمایہ کار ملک سے دور رہتے ہیں۔

آبادی، مہارت اور سماجی رکاوٹیں

آبادی میں تیز اضافہ منصوبہ بندی کے اہداف کو مسلسل مشکل بناتا رہتا ہے۔ اسکول، اسپتال، مکانات اور روزگار کے جو اہداف مقرر کیے جاتے ہیں، آبادی بڑھنے سے وہ ناکافی ثابت ہوتے ہیں اور فی کس سہولتوں میں بہتری نہیں آتی۔ اسی طرح ہنر مند افرادی قوت اور تکنیکی ماہرین کی کمی بھی بڑی رکاوٹ ہے؛ بڑے منصوبوں کے لیے غیر ملکی ماہرین پر انحصار کرنا پڑتا ہے جس سے لاگت بڑھ جاتی ہے اور مقامی صلاحیت پروان نہیں چڑھتی۔ سماجی سطح پر بھی رکاوٹیں موجود ہیں: عوام میں تعلیم و آگاہی کی کمی کی وجہ سے منصوبوں میں عوامی شرکت نہیں ہوتی، بعض سماجی و مذہبی غلط فہمیاں خاندانی منصوبہ بندی جیسے پروگراموں کی راہ میں آتی ہیں، اور علاقائی و لسانی تعصبات قومی ترجیحات پر حاوی ہو جاتے ہیں، جس سے وسائل کی منصفانہ تقسیم مشکل ہو جاتی ہے۔

بیرونی عوامل اور اہداف کا غیر حقیقی ہونا

کچھ رکاوٹیں ملک کے اندرونی اختیار سے باہر ہوتی ہیں۔ عالمی منڈی میں قیمتوں کا اتار چڑھاؤ، تیل کی قیمتوں میں اضافہ، عالمی کساد بازاری، شرح مبادلہ میں تبدیلی اور قدرتی آفات مثلاً سیلاب، زلزلہ اور خشک سالی بڑے بڑے منصوبوں کو متاثر کر دیتی ہیں۔ برآمدات پر منحصر منصوبے عالمی طلب گرنے سے ناکام ہو سکتے ہیں۔ ان کے علاوہ منصوبہ سازوں کی اپنی کوتاہیاں بھی رکاوٹ بنتی ہیں: حد سے زیادہ پرجوش اور غیر حقیقی اہداف مقرر کرنا، شعبوں کے درمیان توازن نہ رکھنا، نجی شعبے کو نظر انداز کرنا، اور منصوبے میں لچک نہ ہونا کہ حالات بدلنے پر اس میں ترمیم کی جا سکے۔ جب ہدف ہی حقیقت سے دور ہو تو عمل درآمد کرنے والے ادارے بھی مایوس ہو کر کوشش چھوڑ دیتے ہیں۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ مؤثر منصوبہ بندی کی راہ میں اعداد و شمار کی کمی، مالی وسائل کا فقدان، کمزور و بدعنوان انتظامیہ، سیاسی عدم استحکام، آبادی کا دباؤ، مہارت کی کمی اور بیرونی جھٹکے جیسی رکاوٹیں حائل ہیں۔ ان رکاوٹوں پر قابو پانے کے لیے شماریاتی نظام کو مضبوط کرنا، ملکی وسائل متحرک کرنا، انتظامی اصلاحات اور احتساب کو یقینی بنانا، پالیسیوں کا تسلسل برقرار رکھنا اور حقیقت پسندانہ اہداف مقرر کرنا ضروری ہے۔ منصوبہ بندی ایک مسلسل عمل ہے؛ جو ممالک درمیانی جائزے اور اصلاح کا نظام رکھتے ہیں، وہی اپنے منصوبوں کو کامیاب بنا پاتے ہیں۔

سوال نمبر 4: پاکستان میں معاشی منصوبہ بندی کی نوعیت اور پانچواں پانچ سالہ منصوبہ (20 نمبر)

سوال نمبر 4: پاکستان میں معاشی منصوبہ بندی کی نوعیت کیا ہے۔ نیز پاکستان کے پانچویں پانچ سالہ منصوبے کی جسامت، مقاصد اور مالی وسائل کے بارے میں تفصیلی نوٹ لکھیں۔

تعارف

قیام پاکستان کے وقت ملک کو شدید معاشی مسائل درپیش تھے: صنعت نہ ہونے کے برابر تھی، انتظامی ڈھانچہ نیا تھا اور مہاجرین کی آبادکاری سب سے بڑا چیلنج تھی۔ ان حالات میں حکومت نے ترقی کے لیے منصوبہ بندی کا راستہ اختیار کیا۔ پاکستان میں پہلا باقاعدہ پانچ سالہ منصوبہ 1955ء میں شروع ہوا اور اس کے بعد منصوبوں کا سلسلہ مختلف ادوار میں جاری رہا۔ مگر پاکستان کی منصوبہ بندی کا اپنا ایک خاص مزاج ہے جو اسے مکمل اشتراکی منصوبہ بندی اور مکمل آزاد منڈی دونوں سے مختلف بناتا ہے۔ اس جواب کے پہلے حصے میں ہم پاکستان کی منصوبہ بندی کی نوعیت بیان کریں گے اور دوسرے حصے میں پانچویں پانچ سالہ منصوبے (1978ء تا 1983ء) کی جسامت، مقاصد اور مالی وسائل کا تفصیلی جائزہ پیش کریں گے، کیونکہ یہ منصوبہ ایک ایسے دور میں بنا جب ملک معاشی اور سیاسی انتشار سے گزر رہا تھا اور اس کا مطالعہ منصوبہ بندی کی مشکلات کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔

پاکستان میں منصوبہ بندی کی نوعیت

پاکستان میں منصوبہ بندی کی نوعیت اشاراتی اور آمیزشی ہے۔ آمیزشی اس لیے کہ ہماری معیشت مخلوط معیشت ہے جس میں نجی اور سرکاری شعبے ساتھ ساتھ کام کرتے ہیں۔ حکومت نجی شعبے کو براہِ راست احکامات کے بجائے مالیاتی و زرعی پالیسیوں، مراعات اور رہنمائی کے ذریعے مطلوبہ سمت میں لے جاتی ہے؛ یہی اشاراتی منصوبہ بندی کہلاتی ہے۔ منصوبہ بندی کا مرکز پلاننگ کمیشن ہے جو وفاقی سطح پر منصوبے تیار کرتا ہے، جبکہ صوبے بھی اپنے سالانہ ترقیاتی پروگرام بناتے ہیں۔ ہماری منصوبہ بندی کی ایک خصوصیت یہ بھی رہی ہے کہ یہ عموماً مدتی یعنی پانچ سالہ منصوبوں، درمیانی مدتی فریم ورک اور سالانہ ترقیاتی پروگرام کی شکل میں ہوتی ہے۔ بدقسمتی سے سیاسی عدم استحکام کی وجہ سے کئی ادوار میں منصوبوں کا تسلسل ٹوٹا اور غیر منصوبہ دور آئے۔ مزید یہ کہ وسائل کی کمی کے باعث ہماری منصوبہ بندی کا انحصار بیرونی امداد و قرضوں پر زیادہ رہا ہے، اور عمل درآمد میں سرکاری شعبے کی استعداد کمزور ثابت ہوئی ہے، جس سے اہداف اور نتائج میں فاصلہ رہتا ہے۔

پانچویں پانچ سالہ منصوبے کی جسامت

پانچواں پانچ سالہ منصوبہ 1978ء میں شروع ہوا اور 1983ء تک کے لیے تھا۔ یہ منصوبہ اس پس منظر میں تیار ہوا کہ چوتھا منصوبہ 1970ء کی جنگ اور مشرقی پاکستان کی علیحدگی کی وجہ سے ادھورا رہ گیا تھا اور اس کے بعد 1970ء کی دہائی میں قومیانے کی پالیسی، تیل کی عالمی قیمتوں میں اضافے اور سیاسی انتشار نے معیشت کو کمزور کر دیا تھا۔ پانچویں منصوبے کی کل جسامت تقریباً 211 ارب روپے کے لگ بھگ مقرر کی گئی تھی (بعض دستاویزات میں اسے بعد ازاں نظر ثانی کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے)، جس میں بڑا حصہ سرکاری شعبے کے لیے اور بقیہ نجی شعبے کی سرمایہ کاری کے لیے رکھا گیا تھا۔ منصوبے میں قومی آمدنی میں اوسطاً سالانہ چھ فیصد سے زائد اور زرعی و صنعتی پیداوار میں مناسب اضافے کا ہدف رکھا گیا تھا۔ ترجیحات میں زراعت، آب پاشی و توانائی، صنعت، نقل و حمل اور سماجی شعبے یعنی تعلیم و صحت شامل تھے۔ منصوبے کی جسامت پچھلے منصوبوں کے مقابلے میں بڑی تھی، لیکن اس کا بڑا انحصار بیرونی وسائل اور ترسیلاتِ زر پر رہا۔

جدول: پانچویں پانچ سالہ منصوبے (1978ء تا 1983ء) کا خلاصہ

پہلو	تفصیل
مدت	1978ء تا 1983ء
کل جسامت	تقریباً 211 ارب روپے
سرکاری شعبہ	منصوبے کا بڑا حصہ، توانائی، آب پاشی، نقل و حمل اور سماجی شعبوں پر مرکوز

نجی شعبہ	صنعت، زراعت اور رہائش میں سرمایہ کاری کی توقع
نمو کا ہدف	قومی پیداوار میں سالانہ تقریباً 6 فیصد اضافہ
اہم ترجیحات	زراعت، پانی و بجلی، صنعت، تعلیم و صحت، روزگار

پانچویں منصوبے کے مقاصد

پانچویں منصوبے کے بنیادی مقاصد میں معاشی نمو کی رفتار بحال کرنا سرِ فہرست تھا، کیونکہ پچھلے برسوں میں نمو سست پڑ گئی تھی۔ دوسرا مقصد زرعی پیداوار میں اضافہ کر کے غذائی خود کفالت حاصل کرنا اور کپاس و گندم جیسی فصلوں کی پیداوار بڑھانا تھا۔ تیسرا مقصد صنعتی شعبے میں نجی سرمایہ کاری کی حوصلہ افزائی کرنا تھا تاکہ قومیانے کے دور کے بعد سرمایہ کاروں کا اعتماد بحال ہو۔ چوتھا مقصد روزگار کے مواقع بڑھانا اور بے روزگاری کم کرنا تھا۔ پانچواں مقصد برآمدات میں اضافہ اور درآمدات پر انحصار کم کر کے توازنِ ادائیگی کو بہتر بنانا تھا۔ اس کے علاوہ تعلیم، صحت، پینے کے صاف پانی اور دیہی ترقی پر توجہ دے کر عام آدمی کے معیارِ زندگی کو بہتر بنانا اور علاقائی تفاوت کم کرنا بھی مقاصد میں شامل تھا۔ سماجی انصاف اور آمدنی کی منصفانہ تقسیم کو بھی منصوبے میں جگہ دی گئی تھی۔

مالی وسائل

پانچویں منصوبے کے مالی وسائل دو بڑے ذرائع سے پورے کرنے کا پروگرام تھا: داخلی وسائل اور بیرونی وسائل۔ داخلی وسائل میں حکومتی محصولات، سرکاری اداروں کی بچتیں، نجی بچتیں اور مالیاتی اداروں کے قرضے شامل تھے۔ اس دور میں بیرونِ ملک مقیم پاکستانیوں کی ترسیلاتِ زر میں غیر معمولی اضافہ ہوا، جس نے ملکی بچتوں اور زرِ مبادلہ کو مضبوط سہارا دیا اور منصوبے کی مالی اعانت میں اہم کردار ادا کیا۔ بیرونی وسائل میں دوست ممالک اور عالمی اداروں کی امداد اور قرضے شامل تھے۔ تاہم وسائل کی فراہمی منصوبے کی توقعات کے مطابق نہ ہو سکی: محصولاتی آمدنی کم رہی، سرکاری اخراجات خصوصاً دفاع اور قرضوں کی ادائیگی بڑھتے گئے، اور 1979ء کے بعد عالمی حالات اور خطے کی صورتِ حال نے بھی معیشت پر دباؤ ڈالا۔ نتیجتاً کئی اہداف ادھورے رہے، اگرچہ اس دور میں زرعی و صنعتی نمو میں کچھ بحالی ضرور آئی اور ترسیلاتِ زر نے توازنِ ادائیگی کو سہارا دیا۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ پاکستان کی منصوبہ بندی مخلوط معیشت کے دائرے میں اشاراتی نوعیت کی ہے، جس میں سرکاری اور نجی شعبے دونوں شریک ہیں۔ پانچواں پانچ سالہ منصوبہ بحالی کا منصوبہ تھا جس کی جسامت تقریباً 211 ارب روپے تھی، مقاصد میں نمو کی بحالی، زرعی خود کفالت، نجی سرمایہ کاری کی حوصلہ افزائی، روزگار اور سماجی خدمات شامل تھے، جبکہ مالی وسائل کا انحصار داخلی بچتوں، ترسیلاتِ زر اور بیرونی امداد پر تھا۔ اس منصوبے کا تجربہ یہ سبق دیتا ہے کہ منصوبے کی کامیابی کے لیے وسائل کی حقیقت پسندانہ منصوبہ بندی، سیاسی استحکام اور عمل درآمد کی صلاحیت اتنی ہی ضروری ہے جتنا اچھا نقشہ خود۔

سوال نمبر 5: پاکستان کی معاشی ترقی میں آبادی کا کردار (20 نمبر)

سوال نمبر 5: پاکستان کی معاشی ترقی میں آبادی کے کردار کے بارے میں لکھیں۔

تعارف

آبادی کسی بھی ملک کی معیشت کا دو دھاری عنصر ہے۔ ایک طرف آبادی افرادی قوت فراہم کرتی ہے جو کھیتوں، کارخانوں اور دفاتر میں کام کر کے قومی پیداوار پیدا کرتی ہے، اور بڑی آبادی ایک وسیع داخلی منڈی بھی مہیا کرتی ہے جس سے صنعتی پیداوار کو فروغ ملتا ہے۔ دوسری طرف اگر آبادی وسائل کے مقابلے میں بہت تیزی سے بڑھے تو وہ ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ بن جاتی ہے، کیونکہ بڑھتی ہوئی آبادی غذا، تعلیم، صحت، رہائش اور روزگار کے مسائل پیدا کرتی ہے۔ پاکستان دنیا کے زیادہ آبادی والے ممالک میں شامل ہے اور یہاں آبادی کی شرح نمو طویل عرصے تک بلند رہی ہے۔ اس جواب میں جائزہ لیا جائے گا کہ پاکستان کی معاشی ترقی پر آبادی نے مثبت اور منفی دونوں طرح سے کیا اثرات ڈالے ہیں اور مستقبل میں اس صورت حال کو ترقی کے حق میں کیسے بدلا جا سکتا ہے۔

آبادی کا مثبت کردار: افرادی قوت اور منڈی

مثبت پہلو سے دیکھا جائے تو پاکستان کی آبادی کا بڑا حصہ نوجوانوں پر مشتمل ہے، جو کسی بھی معیشت کے لیے قیمتی اثاثہ ہو سکتی ہے۔ نوجوان افرادی قوت زراعت، صنعت، تعمیرات اور خدمات کے شعبوں میں کام کرتی ہے۔ بیرون ملک کام کرنے والے پاکستانی محنت کش ہر سال اربوں ڈالر کی ترسیلاتِ زر بھیجتے ہیں جو پاکستان کے زرمبادلہ کا سب

سے بڑا ذریعہ ہیں اور لاکھوں خاندانوں کے معیارِ زندگی کو بہتر بناتی ہیں۔ اسی طرح بڑی آبادی کی وجہ سے پاکستان میں ایک وسیع داخلی منڈی موجود ہے؛ کپڑا، خوراک، سیمنٹ اور صارفین کی دیگر اشیا کی طلب اسی آبادی کی بدولت ہے، جس سے مقامی صنعت کو تحفظ اور پھیلنے کا موقع ملتا ہے۔ اگر اس افرادی قوت کو تعلیم و ہنر سے آراستہ کیا جائے تو یہی آبادی، جو آج بوجھ دکھائی دیتی ہے، ترقی کا تیز ترین انجن بن سکتی ہے، جیسا کہ چین اور دیگر مشرقی ایشیائی ممالک نے ثابت کیا ہے۔

تیز آبادی اور فی کس آمدنی پر اثرات

منفی پہلو یہ ہے کہ پاکستان میں آبادی کی نمو طویل عرصے تک اتنی تیز رہی کہ اس کے ثمرات اس میں تحلیل ہوتے رہے۔ جب قومی آمدنی میں پانچ فیصد اضافہ ہو اور آبادی بھی تیزی سے بڑھ رہی ہو تو فی کس آمدنی میں اصل اضافہ معمولی رہ جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دہائیوں کی ترقی کے باوجود پاکستان کی فی کس آمدنی خطے کے کئی ممالک سے پیچھے ہے۔ بڑھتی آبادی بچت کی شرح بھی کم کرتی ہے، کیونکہ اوسط پاکستانی خاندان بڑا ہوتا ہے اور اس کی آمدنی کا بڑا حصہ خوراک اور بنیادی ضروریات پر خرچ ہو جاتا ہے، جس سے قومی بچت اور سرمایہ کاری متاثر ہوتی ہے۔ انحصار کا تناسب بھی بلند ہے، یعنی کمانے والوں کے مقابلے میں ان پر منحصر بچے اور بزرگ زیادہ ہیں، جس سے ہر کمانے والے پر بوجھ بڑھتا ہے اور ریاست کو تعلیم و صحت پر زیادہ خرچ کرنا پڑتا ہے جبکہ اس کی آمدنی محدود ہوتی ہے۔

اس کے علاوہ غذائی تحفظ بھی آبادی کے دباؤ سے متاثر ہوتا ہے۔ بڑھتی ہوئی آبادی کے لیے خوراک کی طلب مسلسل بڑھتی ہے، لیکن زرعی زمین محدود ہے اور شہری آبادیوں کے پھیلاؤ سے مزید کم ہو رہی ہے۔ نتیجتاً پاکستان کو گندم، دالیں، خوردنی تیل اور دیگر غذائی اجناس بڑی مقدار میں درآمد کرنا پڑتی ہیں، جس پر قیمتی زرمبادلہ خرچ ہوتا ہے اور توازنِ ادائیگی پر بوجھ پڑتا ہے۔ غربت کے اعداد و شمار بھی اسی دباؤ کی عکاسی کرتے ہیں: جب آمدنی میں اضافہ سست اور خاندان بڑے ہوں تو غذائی قلت اور بچوں کی نشوونما کے مسائل جنم لیتے ہیں، جس سے آنے والی نسل کی صحت اور سیکھنے کی صلاحیت متاثر ہوتی ہے اور پسماندگی کا چکر اگلی نسل تک منتقل ہو جاتا ہے۔ یوں آبادی کا تیز اضافہ صرف موجودہ معیشت پر بوجھ نہیں ڈالتا بلکہ مستقبل کی ترقی کی بنیادوں کو بھی کمزور کرتا ہے۔

روزگار، شہری مسائل اور وسائل پر دباؤ

تیز آبادی روزگار کے مسئلے کو سنگین بناتی ہے۔ ہر سال لاکھوں نوجوان ملازمت کی تلاش میں افرادی قوت میں شامل ہوتے ہیں، مگر معیشت اتنی تعداد میں روزگار پیدا نہیں کر پاتی، نتیجتاً بے روزگاری اور جزوی روزگاری پھیلتی ہے اور تعلیم یافتہ نوجوانوں میں مایوسی بڑھتی ہے۔ دیہات سے شہروں کی طرف نقل مکانی سے شہروں پر دباؤ بڑھتا ہے؛ کچی آبادیاں پھیلتی ہیں، پانی، بجلی، صفائی اور نقل و حمل کے نظام ناکافی پڑ جاتے ہیں۔ زرعی زمین آبادی کے دباؤ سے مسلسل تقسیم ہوتی جا رہی ہے، جس سے فی خاندان رقبہ کم ہو کر غیر اقتصادی ہوتا جا رہا ہے۔ پانی جیسے وسائل فی کس بنیاد پر کم ہوتے جا رہے ہیں اور پاکستان پانی کی قلت والے ممالک کی صف میں شامل ہونے کے قریب ہے۔ جنگلات، ماحول اور قدرتی وسائل پر بھی یہی دباؤ نظر آتا ہے۔ یوں آبادی کا بے قابو اضافہ ترقی کے ہر شعبے میں مشکلات پیدا کرتا ہے۔

آبادی کو اثاثہ بنانے کے اقدامات

اس صورت حال کا حل آبادی کو قابو میں رکھنے اور اسے ہنر مند بنانے میں ہے۔ اولاً خاندانی منصوبہ بندی اور آبادی کی فلاح کے پروگراموں کو موثر بنایا جائے، خواتین کی تعلیم بڑھائی جائے کیونکہ تعلیم یافتہ خواتین میں خاندان کا سائز نسبتاً متوازن رہتا ہے۔ دوماً نوجوانوں کو معیاری تعلیم اور فنی تربیت دے کر افرادی قوت کو انسانی سرمائے میں بدلا جائے تاکہ ان کی پیداواری صلاحیت اور آمدنی بڑھے۔ سوماً محنت طلب صنعتوں اور خدمات کے شعبے کو فروغ دے کر روزگار کے مواقع بڑھائے جائیں اور بیرون ملک روزگار کے لیے نوجوانوں کو مطلوبہ ہنر سکھائے جائیں تاکہ ترسیلاتِ زر میں مزید اضافہ ہو۔ چہارماً شہری منصوبہ بندی اور دیہی ترقی کے ذریعے آبادی کے دباؤ کو متوازن کیا جائے۔ ان اقدامات سے آبادی اور وسائل کے درمیان توازن پیدا ہو گا اور آبادی ترقی کی رکاوٹ کے بجائے اس کا ذریعہ بن جائے گی۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ پاکستان میں آبادی کا کردار دوررخا ہے۔ افرادی قوت، داخلی منڈی اور ترسیلاتِ زر کی صورت میں آبادی معیشت کی طاقت ہے، مگر اس کی تیز رفتار نمو نے فی کس آمدنی، بچت، روزگار، تعلیم و صحت اور قدرتی وسائل پر شدید دباؤ ڈال کر ترقی کی رفتار سست کر دی ہے۔ پاکستان اس وقت اس مرحلے پر ہے جہاں نوجوان آبادی کی بڑی تعداد اس کے لیے موقع بھی ہے اور چیلنج بھی۔ اگر آبادی کی نمو میں کمی کے ساتھ ساتھ تعلیم، ہنر اور روزگار پر سنجیدہ سرمایہ کاری کی جائے تو اس موقع سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے، ورنہ بڑھتی ہوئی بے روزگار اور ناخواندہ آبادی معاشی و سماجی مسائل کو مزید سنگین کر دے گی۔